عدل وانصاف کے نظام کا قیام زیر بحث آیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے دو مقدموں کا تذکرہ ہے۔

اس کے بعد کے ابواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے عدالتی نظام کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور پھر ادب القاضی کے حوالے سے عدالتی قوانین پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور پھر اس ضمن میں پولیس، قید خانوں اور محکمہ الحسبہ کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

کتاب کو دو حصوں اور ۱۱/ابواب میں ترتیب دیا گیا ہے اور تین کتابیات کی فہرست تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۱۸۰۰ سے زائد کتابیں شامل ہیں جو اساتذہ اور طلبا کے لیے بڑی مفید معلومات کا خزانہ ہے۔ اصل کتاب انگریزی میں ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی تھی جس کی علمی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی تھی۔ اب اسے ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی نے جو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں لیکچرار ہیں بامحاورہ اور سلیس اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کی سلاست اور روانی سے اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ہے۔ کتاب اعلیٰ معیار پر اچھی کتابت اور طباعت کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ اُمید ہے صاحبِ علم حضرات اور طلبا اس جامع اور مستند علمی کتاب سے استفادہ کریں گے اور برعظیم کے کتب خانوں میں یہ جگہ پائے گی۔ (عبدالرشید صدیقی)

بارِ شناسائی، کرامت اللہ غوری۔ ناشر: اٹلانٹس پبلی کیشنز، ۳۶-اے ایسٹرن سٹوڈیوز کمپاونڈ، بی-۱۶ سائٹ، کراچی۔ صفحات: ۲۱۳۔ قیمت: ۴۸۰ روپے۔

عرب کے مشہور شاعر متنبّی جس کی مدح کرتا اُسے آسمان پر اٹھا کر ماورائی مخلوق بنا لیتا، اسی طرح جب کسی کی ہجو کرتا تو اسے انسانیت کے دائرے سے نکال کر اسفل السافلین بنا کر دَم لیتا۔ یہی حال ہمارے اکثر قلم کاروں کا ہے۔ وہ جب بھی کسی شخصیت پر قلم اُٹھاتے ہیں تو دونوں انتہاؤں میں سے ایک پر ہوتے ہیں۔ حکمرانوں، سیاست دانوں اور بااثر شخصیات کے خاکوں اور سوانح میں بالخصوص اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ رنگ اہتمام سے بھرے جاتے ہیں۔ عام آدمی تک صحیح معلومات نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ یا تو رہزن کو رہبر سمجھنے لگتا ہے یا پھر 'سب چور ہیں' کہتے ہوئے قومی واجتماعی معاملات سے دامن جھٹک کر الگ ہو جاتا ہے۔ بارِ شناسائی اس معاملے میں ایک مختلف اور منفرد کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف کرامت اللہ غوری وزارت خارجہ کے بیوروکریٹ

اور ایک طویل عرصے تک مختلف ممالک میں پاکستان کے سفارت کار رہے ہیں۔ خوش گوار حیرت کی بات یہ ہے کہ سفارت کاری کے ساتھ ساتھ مصنف کا قلم قبیلے کے ساتھ گہرا تعلّق ہے۔

وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تازہ تصنیف بارِ شناسائی دراصل ان کی اُن یادداشتوں کا مجموعہ ہے جو ہمارے حکمرانوں: وزراے اعظم، صدور، کابینہ کے اراکین، کمیٹیوں کے سربراہان اور دیگر اہم شخصیات سے متعلّق ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو سے لے کر نواز شریف اور بے نظیر تک کے حکمرانوں، نوابزادہ نصراللہ خان، مولانا فضل الرحمٰن، حکیم محمد سعید، فیض احمد فیض اور ڈاکٹر عبدالسلام جیسی شخصیات کے تذکرے اس کتاب کا حصّہ ہیں۔ دل آویز اسلوب، بے لاگ تبصرے اور شخصیات کے نفسیاتی تجزیے اس کتاب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مصنف نے پیش لفظ میں لکھا ہے: ''میں نے تو صرف وہ خاکے مرتّب کیے ہیں جو میرے مشاہدے کی آنکھ سے گزر کر میرے ذہن کے کینوس پر اپنے تاثرات چھوڑ گئے ہیں۔ میں نے صرف وہی لکھا ہے جو میں نے دیکھا اور محسوس کیا''۔ (ص ۲۶)

مصنف نے ضیاء الحق کے کردار کے دونوں پہلو بیان کرنے کے بعد ان کی عجز وانکسار، کھرے پن اور نرم خوئی کی کھل کر تعریف کی ہے، لکھتے ہیں: ''وہ بلاشبہہ ایک انتہائی متنازع شخصیت تھے اور رہیں گے لیکن ایک حقیقت جس کا میں آج بھی بلاخوف تردید اعادہ اور توارد کر سکتا ہوں یہ ہے کہ میں نے ۳۵ برس کی سفارتی اور سرکاری ملازمت کی تمام مدت میں ضیاء الحق سے زیادہ نرم خو اور حلیم انسان نہیں دیکھا۔ کوئی بھی دیانت دار مؤرخ ان کے خلق اور اخلاق کے ضمن میں میرے بیان کی تردید نہیں کر سکے گا''۔ (ص ۲۷)

ذوالفقار علی بھٹو کے غرور وتکبر، سخت گیری اور درشت مزاجی کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: ''بھٹو صاحب کا سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا کہ وہ اپنے مزاج اور اپنی اَنا پرست نفسیات سے اپنی موروثی وڈیرہ ذہنیت کو کبھی جدا نہیں کر سکے۔'' (ص ۲۸)

مصنف نے بے نظیر کی ذہانت، فطانت اور معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ وزیروں مشیروں کے انتخاب میں ان کی قوتِ فیصلہ اور اصابتِ راے کی ناکامی، نواز شریف کے حُسنِ سلوک اور کھانے پینے کے حد سے بڑھے ہوئے شوق، محمد خان جونیجو کی سادہ لوحی اور برتری کے گھمنڈ میں

مبتلا پرویز مشرف کی آمریت کے واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں مال و دولت کے پجاری، پروٹوکول کے بھوکے، شہرت کے طلب گار، سیاحت اور شاپنگ کے شوقین نااہل اور کارِسرکار سے بے نیاز وزیروں اور مشیروں کے چہروں سے بھی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

دیکھا جائے تو زیرنظر کتاب میں کوئی بھی بات ایسی نہیں جو ہمیں پہلے سے معلوم نہ ہو لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیّت یہ ہے کہ یہ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ایک معتبر چشم دید گواہ کی شہادت ہے۔ آخر میں مصنف نے وطن عزیز کے زبوں حالی کی درست تشخیص کرتے ہوئے ہماری سیاست اور سیاسی کلچر میں جاگیرداروں اور وڈیروں کے تسلط کو پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ طبقہ جسے صوف اور صرف اپنے مفاد سے محبت ہے اور اپنی غرض ہی ان کو عزیز ہے، ملک چاہے جائے بھاڑ میں، جونک کی طرح ہمارے سیاسی نظام سے چمٹا ہوا ہے اور اس کا خون چُوس رہا ہے۔ دوسرا بڑا مسئلہ ہمارے ہاں روزافزوں جہالت اور تعلیم کی کمی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کا شمار معدودے چند ممالک میں ہوتا ہے جہاں ان پڑھ لوگوں کی شرح ہر سال بڑھ رہی ہے۔ جس تیزی سے ہماری آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، ملک میں تعلیم و تدریس کی سہولتیں اس رفتار کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔ (ص۱۸۱)

وہ لکھتے ہیں کہ: ''ملک کی سیاست اور سیاسی عمل پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے ہر فوجی آمر نے جاگیرداروں اور وڈیروں کو شریک اقتدار کیا تھا، اس لیے کہ اقتدار کے بھوکے یہ جاگیردار اپنی قیمت لگوانے میں کسی اخلاقی ضابطے یا اصول کے اسیر نہیں ہوتے۔ جو ان کی مانگ پوری کر دے اور انھیں لوٹ مار کرنے کے لیے اپنی سرپرستی فراہم کر دے، وہ اس کے ساتھ شریک بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے ہاتھ بھی مضبوط کرنے کے لیے کوشاں ہو جاتے ہیں''۔ (ص۱۸۲)

مزید لکھتے ہیں کہ: ''عوامی انقلاب کی فتح کے بعد ماؤ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جاگیرداروں اور زمین داروں کا قلع قمع کر دیا۔ اسی طرح امام خمینی نے بھی ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ان شاہ پرستوں اور استحصال پسندوں کو تہہ تیغ کر دیا جنھوں نے ایران کے غریب عوام کا جینا دوبھر کر رکھا تھا''۔ وہ پاکستان کے تمام مسائل کا حل جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کے خاتمے میں سمجھتے ہیں۔ اس بات کو اگر اس کتاب کا حاصل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔